جناب وحید الدین خان صاحب

قرآن کریم اور عالم فطرت

جدید تحقیقات کیلئے ایک چیلنج

قرآن ایک ایسے زمانے میں اترا جب انسان عالم فطرت کے بارے میں بہت کم جانتا تھا۔ اس وقت بارش کے متعلق یہ تصور تھا کہ آسمان میں کوئی دریا ہے جس سے پانی بہہ کر زمین پر گرتا ہے اور اسی کا نام بارش ہے۔ زمین کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ چپٹی فرش کی مانند ہے۔ اور آسمان اس کی چھت ہے جو پہاڑ کی چوٹیوں کے اوپر کھڑی کی گئی ہے۔ ستاروں کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ چاندی کی چمکتی ہوئی کیلیں ہیں جو آسمان کی گنبد میں جڑی ہوئی ہیں یا وہ چھوٹے چھوٹے چراغ ہیں جو رات کے وقت رسیوں کی مدد سے لٹکائے جاتے ہیں قدیم اہل ہند یہ سمجھتے تھے کہ زمین ایک گائے کی سینگ پر ہے اور جب گائے زمین کو ایک سینگ سے دوسری سینگ پر منتقل کرتی ہے تو اس کے سر کی جنبش سے زلزلہ آجاتا ہے۔ کوپرنیکس (۱۴۷۳ - ۱۵۴۳) تک یہ نظریہ تھا کہ سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے۔

اس کے بعد علم کی ترقی ہوئی، انسان کے مشاہدے اور تجربے کی قوت بڑھ گئی جس کی وجہ سے بے شمار نئی نئی معلومات حاصل ہوئیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور علم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جس میں پہلے کے مسلمات بعد کی تحقیق سے غلط ثابت نہ ہو گئے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا کوئی بھی انسانی کلام ایسا نہیں ہو سکتا جو آج بھی اپنی صحت کو پوری طرح باقی رکھے ہوئے ہو، کیونکہ آدمی اپنے وقت کی معلومات کی روشنی میں بولتا ہے، وہ شعور کے تحت بولے یا لاشعور کے تحت، بہر حال وہ وہی کچھ دہرائے گا جو اس نے اپنے زمانہ میں پایا ہو۔ چنانچہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی کوئی بھی انسانی کتاب آج ایسی موجود نہیں ہے جو غلطیوں سے پاک ہو۔ مگر قرآن کا معاملہ اس سے مختلف

ہے۔ وہ جسطرح ڈیڑھ ہزار برس پہلے کے دور میں برحق تھا، آج بھی وہ اسی طرح برحق ہے۔ زمانے کے گذرنے سے اس کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ واقعہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ ایک ایسے ذہن سے نکلا ہوا کلام ہے جسکی نگاہ ازل سے ابد تک محیط ہے جو سارے حقائق کو اپنی اصل شکل میں جانتا ہے، جس کی واقفیت زمانے اور حالات کی پابند نہیں۔ اگر یہ محدود نظر رکھنے والے انسان کا کلام ہوتا تو بعد کا زمانہ اسی طرح اس کو غلط ثابت کر دیتا۔ جیسے ہر انسانی کلام بعد کے زمانے میں غلط ثابت ہو چکا ہے۔

قرآن کا اصل موضوع اخروی سعادت ہے۔ اس لحاظ سے وہ دنیا کے معروف علوم وفنون میں سے کسی کی تعریف میں نہیں آتا۔ مگر اس کا مخاطب چونکہ انسان ہے اس لئے قدرتی طور پر وہ اپنی تقریروں میں ہر اس علم کو مس کرتا ہے جس کا تعلق انسان سے ہے۔ یہ ایک بہت نازک صورت حال ہے، کیونکہ آدمی اپنی گفتگو میں اگر کسی فن کو مس کر رہا ہے تو خواہ وہ اس پر کوئی تفصیلی کلام نہ کرے، اگر اس کی معلومات ناقص ہیں، تو یقینی طور وہ ایسے الفاظ استعمال کرے گا جو صورت واقعہ سے ٹھیک ٹھیک مطابقت رکھتے ہوں۔ مثلاً ارسطو نے عورت کی کمتری ثابت کرنے کے لئے یہ کہا کہ: "اس کے منہ میں مرد سے کم دانت ہوتے ہیں" ظاہر ہے کہ یہ فقرہ علم الاجسام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ مگر اس کے باوجود وہ ایک ایسا فقرہ ہے جو علم الاجسام سے ناواقفیت کا ثبوت دیتا ہے، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ مرد اور عورت کے منہ میں، دانت کی تعداد یکساں ہوتی ہے۔ مگر یہ حیرت انگیز بات ہے کہ قرآن اگرچہ اکثر علوم انسانی کو کہیں نہ کہیں مس کرتا ہے، مگر اس کے بیانات میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں آنے پائی جو بعد کی وسیع تر تحقیقات سے یہ ثابت کرے کہ یہ ایسے شخص کا کلام ہے جس نے کمتر معلومات کی روشنی میں اپنی باتیں کہی تھیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بالاتر ہستی کا کلام ہے جو اس وقت بھی جانتا تھا۔ جب کوئی نہیں جانتا تھا۔ اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے، جس سے اب تک لوگ ناواقف ہیں۔

یہاں میں مختلف علوم سے متعلق چند مثالیں دوں گا جس سے اندازہ ہوگا کہ ایک علم کو مس کرتے ہوئے بھی قرآن کس طرح حیرت انگیز طور پر ان صداقتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں جو قرآن کے وقت معلوم شدہ نہیں تھیں بلکہ بعد کو دریافت ہوئیں۔

اس بحث سے پہلے بطور تمہید یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ جدید تحقیقات سے قرآنی الفاظ کی مطابقت اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ یہ تحقیقات متعلقہ واقعہ کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو چکی ہیں

اور اسطرح مادی کائنات کے بارے میں قرآن کے اشاراتی الفاظ کی تعبیر کے لئے ہم کو ضروری مواد حاصل ہوگیا ہے۔ اب اگر مستقبل کا مطالعہ کسی موجودہ تحقیق کو کلاً یا جزاً غلط ثابت کر دے تو اس سے کسی بھی درجہ میں قرآن کی تغلیط نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ قرآن کے مجمل اشارہ کے تفصیلی تعین میں غلطی ہوگئی تھی، ہم کو یقین ہے کہ آئندہ کی صحیح تر معلومات قرآن کے اشاراتی الفاظ کو زیادہ صحیح طور پر واضح کرنے والی ہوں گی۔ وہ کسی اعتبار سے اس سے مختلف نہیں ہوسکتیں۔

اس سلسلے میں قرآن کے جو بیانات ہیں، ان کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو ان امور سے متعلق ہیں، جن کے متعلق انسان کو نزول قرآن کے وقت کسی قسم کی معلومات حاصل نہیں تھیں اور دوسرے وہ جن کے متعلق وہ سطحی اور ظاہری معلومات رکھتا تھا۔

کائنات کی بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق دور سابق کے لوگ کچھ نہ کچھ جانتے تھے۔ مگر ان کا یہ علم ان دریافتوں کے مقابلے میں بے حد ناقص اور ادھورا تھا جو بعد کو علمی ترقی کے دور میں سامنے آئیں۔ قرآن کی مشکل یہ تھی کہ وہ کوئی سائنسی کتاب نہیں تھی اس لئے اگر وہ عالم فطرت کے بارے میں یکایک نئے نئے انکشافات لوگوں کے سامنے رکھنا شروع کر دیتا تو انہیں چیزوں پر بحث چھڑ جاتی اور اس کا اصل مقصد —— ذہن کی اصلاح —— پس پشت چلا جاتا۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس نے علمی ترقی سے بہت پہلے کے زمانے میں اس طرح کی چیزوں پر کلام کیا۔ اور ان کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کئے جس میں دور سابق کے لوگوں کے لئے توحش کا کوئی سامان نہیں تھا۔ اور اسی کے ساتھ بعد کے انکشافات کا بھی وہ پوری طرح احاطہ کئے ہوئے تھے۔

الف: قرآن میں دو مقامات پر پانی کا ایک خاص قانون بیان کیا گیا ہے۔ اول سورۂ فرقان میں، دوسرے سورۂ رحمان میں۔

اول الذکر اقتباس حسب ذیل ہے:

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا۔	اور وہی ہے جس نے ملائے دو دریا، ایک کا پانی میٹھا خوشگوار ہے اور ایک کا کھاری تلخ۔ اور دونوں کے درمیان ایک آڑ رکھ دی۔

(الفرقان - ۵۳)

دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں:

مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لایبغیان۔ (الرحمن ۲۱-۲۰)

اس نے چلائے دو دریا ملتے ہوئے دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔

...

ان آیات میں جس منظر فطرت کا ذکر ہے، وہ قدیم ترین زمانے سے انسان کو معلوم تھا — وہ یہ کہ دو دریاؤں کے پانی جب باہم مل کر بہتے ہیں تو وہ ایک دوسرے میں شامل نہیں ہو جاتے، مثال کے طور پر چاٹگام (مشرقی پاکستان) سے لیکر ارکان (برما) تک دو دریا مل کر بہتے ہیں۔ اور اس پورے سفر میں دونوں کا پانی بالکل الگ الگ نظر آتا ہے۔ دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے۔ ایک طرف کا پانی میٹھا اور دوسری طرف کا کھاری۔ اسی طرح سمندر کے ساحلی مقامات پر جو دریا بہتے ہیں، ان میں سمندر کے اثر سے برابر مدوجزر (جوار بھاٹا) آتا رہتا ہے۔ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے، تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے۔ لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے اوپر کھاری رہتا ہے، نیچے میٹھا۔ اس کے بعد جب جزر ہوتا ہے تو اوپر سے کھاری پانی اتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں رہتا ہے۔ اسی طرح الہ آباد میں گنگا اور جمنا کے سنگم کے مقام پر میں نے خود دیکھا کہ دونوں دریا ملنے کے باوجود الگ الگ بہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور درمیان میں ایک لکیر مسلسل چلی گئی ہے۔

یہ بات قدیم ترین زمانے سے انسان کے مشاہدے میں آچکی ہے۔ مگر یہ واقعہ کس قانون فطرت کے تحت واقع ہوتا ہے، یہ ابھی حال میں دریافت کیا گیا ہے۔ جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ رقیق اشیاء میں سطحی تناؤ (SURFACETENSION) کا ایک خاص قانون ہے اور یہی دونوں قسم کے پانی کو الگ الگ رکھتا ہے۔ چونکہ دونوں سیالوں کا تناؤ (TENSION) مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے وہ دونوں کو اپنی اپنی حد میں روکے رہتا ہے۔ آج کل اس قانون کو سمجھ کر جدید دنیا نے بیشمار فوائد حاصل کئے ہیں۔ قرآن نے بینھما برزخ لایبغیان کے الفاظ بول کر اس واقعہ کی ایسی تعبیر کی جو قدیم مشاہدے کے اعتبار سے بھی ٹکرانے والی نہیں تھی۔ اور اب جدید دریافت پر بھی وہ پوری طرح حاوی ہے۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ برزخ (آڑ) سے مراد وہ سطح کا تناؤ ہے جو دونوں قسم کے پانی کے درمیان پایا جاتا ہے، اور جو دونوں کو مل جانے سے روکے ہوئے ہے۔

سطحی تناؤ کے قانون کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھیئے۔ اگر آپ گلاس میں پانی بھریں تو وہ کنارے تک پہنچ کر فوراً بہنے نہیں لگے گا۔ بلکہ ایک سوت کے بقدر اٹھ کر گلاس کے کناروں کے اوپر گولائی میں ٹھہر جائے گا، یہی وہ چیز ہے جس کو شاعر نے خط پیمانہ کہا ہے ؎

اندازہ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ
ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خط پیمانہ

گلاس کے کناروں کے اوپر پانی کی جو مقدار ہوتی ہے، وہ کیسے ٹھہرتی ہے۔ بات یہ ہے کہ رقیق اشیاء کی سطح کے سالمات کے بعد چونکہ کوئی چیز نہیں ہوتی، اس لئے اس کا رخ اندر کیطرف ہو جاتا ہے۔ اس طرح سطح کے سالمات کے درمیان کشش اتصال بڑھ جاتی ہے اور قانون اتصال کے عمل کی وجہ سے پانی کی سطح کے اوپر ایک قسم کی لچکدار جھلی سی بن جاتی ہے اور پانی گویا اس کے غلاف میں اس طرح ملفوف ہو جاتا ہے جیسے پلاسٹک کی سفید جھلی میں لپٹا ہوا نمک۔ ملفوف ہوتا ہے۔ سطح کا یہی پردہ اوپر ابھرے ہوئے پانی کو روکتا ہے۔ یہ پردہ اس حد تک قوی ہوتا ہے کہ اگر اس کے اوپر سوئی ڈال دی جائے تو وہ ڈوبے گی نہیں بلکہ پانی کی سطح پر تیرتی رہے گی۔ اس کو سطحی تناؤ کہا جاتا ہے اور یہی وہ سبب ہے جسکی بنا پر تیل اور پانی ایک دوسرے میں حل نہیں ہوتے۔ اور یہی وہ "آڑ" ہے جسکی وجہ سے کھاری پانی اور میٹھے پانی کے دو دریا مل کر بہتے ہیں مگر ایک کا پانی دوسرے میں شامل نہیں ہوتا۔

ب: اس طرح کے بیانات قرآن میں بہت ہیں، مثلاً ارشاد ہوا ہے :

اللہ الذی رفع السماوات بغیر عمد ترونھا۔	اللہ وہ ہے جس نے آسمان کو بلند کیا بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھ سکو۔

(رعد - ۲)　　...

دور قدیم کے انسان کے لئے یہ الفاظ اس کے ظاہری مشاہدے کے عین مطابق تھے۔ کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ اس کے سر کے اوپر سورج، چاند اور ستاروں کی ایک دنیا کھڑی ہے مگر کہیں اس کا پایہ اور کھمبا نظر نہیں آتا۔ اور اب جدید ترین معلومات رکھنے والے انسان کے لئے بھی اس میں مکمل معنویت موجود ہے۔ کیونکہ جدید ترین مشاہدہ بتاتا ہے کہ اجرام سماوی ایک لامحدود خلا میں بغیر کسی سہارے کے قائم ہیں اور ایک "عمد غیر مرئی" یعنی کشش ثقل ان کو بالائی فضا میں سنبھالے ہوئے ہے۔

ج۔ اسی طرح سورج اور تمام ستاروں کے بارے میں کہا گیا ہے۔

کل فی فلک یسبحون۔ سب کے سب ایک آسمان میں تیر رہے ہیں۔

دور قدیم میں بھی انسان اجرام سماوی کو حرکت کرتا ہوا دیکھتا تھا۔ اس لئے ان الفاظ سے اس کو توحش نہیں ہوا۔ مگر جدید معلومات نے ان الفاظ کو اور زیادہ بامعنی بنا دیا ہے۔ بسیط اور لطیف خلا میں اجرام سماوی کی گردش کے لئے "تیرنے" سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی۔

د : رات اور دن کے متعلق قرآن میں ہے :

یغشی اللیل النہار یطلبہ حثیثا۔ اللہ اوڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا۔ (اعراف ۔ ۵۴)

یہ الفاظ قدیم انسان کے لئے صرف رات دن کی ظاہری آمد و شد کو بتاتے تھے۔ مگر اس میں نہایت عمدہ اشارہ زمین کی محوری گردش کیطرف بھی موجود ہے جو جدید مشاہدے کے مطابق رات اور دن کی تبدیلی کی اصل وجہ ہے۔ یہاں میں یاد دلاؤں گا کہ روس کے پہلے خلائی مسافر نے خلا سے واپسی کے بعد اپنے جو مشاہدات بیان کئے تھے، اس میں ایک یہ بھی تھا کہ زمین کو اس نے اس شکل میں دیکھا کہ سورج کے سامنے محوری گردش کی وجہ سے اس کے اوپر اندھیرے اور اجالے کی آمد و رفت کا ایک تیز تسلسل جاری تھا۔

اس طرح کے بیانات قرآن میں کثرت سے موجود ہیں۔

دوسری مثالیں وہ ہیں جن کے متعلق پچھلے زمانے کے لوگ قطعاً کوئی معلومات نہیں رکھتے تھے۔ قرآن نے ان کا ذکر کیا۔ اور ایسی باتیں کہیں جو حیرت انگیز طور پر جدید انکشافات سے صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ یہاں میں مختلف علمی شعبوں سے اس کی چند مثالیں پیش کروں گا۔ (باقی آئندہ)

علمی و دینی مجلہ
صدائے اسلام
پشاور

ماہنامہ ــــــ سے ــــــ ہفت روزہ
۷ اپریل سے ہفت روزہ کی شکل میں جلوہ افروز ہو رہا ہے
ہر شمارہ میں مفید علمی و اصلاحی مضامین۔ تحقیقی مقالے
عالم اسلام کے حالات ، دلچسپ معلومات ، حالات حاضرہ پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیں ــــ سائز ۲۰×۳۰/۸ صفحات ۸
سالانہ چندہ آٹھ روپے فی پرچہ ۲۰ پیسے۔
زیر ادارت : محمد اشرف علی قریشی
ہفت روزہ صدائے اسلام جامعہ اشرفیہ۔ پشاور۔ فون ۲۷۹۱